ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

احادیث سے استشہاد و استدلال: شیخ عبد العزیز دباغ کے منہج کا تجزیاتی مطالعہ

Explanation of the Narrations of the Holy Prophet in the Viewpoints of Shaikh ‘Abdul-‘Azīz Dabbāgh: : An Explicit Study

Dr. Muhammad Ramzan Saeedi
Visiting Faculty Member Bahauddin Zakariya University Multan
Email: ramzansaeedi44@gmail.com
Shahina Imran
Associate Prof. Govt Graduate College for Women Sahiwal
Email shahinaimran12@gmail.com
Dr. Allah Ditta
Assistant Professor/HOD Islamic Studies Department FG Degree College (W) Multan Cantt
Email profabughufran475@gmail.com

ABSTRACT

Shaikh ‘Abdul-‘Azīz Dabbāgh was a Sufi scholar of the Shazlīya order who was bestowed with infused knowledge (i.e. the inspired knowledge of secrets and Gnostics). Besides Sufism, he was adept in all Islamic sciences. By virtue of his majestic personality and his command over Islamic sciences, he described many facts about Hadith, Islamic Law and Tafseer. This article is an attempt to discuss his scholarly viewpoints about the narrations of Holy Prophet (peace be upon him). These views were recorded by his disciple Aḥmad bin Mubārak who questioned about the denotation and connotation of some Hadiths. These views have been documented in a book namely "Al-Abrīz" (Pure Gold). In particular, this study aims at to present the viewpoints of Shaikh ‘Abdul-‘Azīz Dabbāgh about the Hadith. He has some specific features about the explanation of hadith which were different from other Scholars of his time. In this study, his clarifications and elucidations about the Hadith has been described in detail and distinctiveness from other Scholars has been focused.

Key Words: - *Shaikh ‘Abdul-‘Azīz Dabbāgh, viewpoints, Holy Prophet, Narrations, Hadith*

قرآن کے بعد دین اسلام کا دوسرا اہم ترین ماخذ حدیث ہے۔ حدیث کی اہمیت و حیثیت امر مسلم ہے۔ دورِ رسالت مآب سے ہی حدیث کی خدمت و حفاظت کے تاریخی شواہد ملتے ہیں۔ احادیث کی جمع و تدوین کے ساتھ ساتھ مسلمانوں نے جہاں اسماء الرجال جیسے معرکۃ الآراء علم کو وجود بخشا وہیں پر شرحِ حدیث کے سلسلہ میں بھی اہل علم نے اپنی تمام تر قوتوں کو صرف کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ شارحین نے اپنی بساط و طاقت کے شرح حدیث کی خدمت سرانجام دی۔ البتہ بعض احادیث ایسی ہیں جن کے حقیقی مفہوم کو بادیٔ النظر میں سمجھنا ممکن نہیں بلکہ ان کی گہرائی تک رسائی فقط عطائے یزدانی و ربانی سے ہی ممکن ہے۔ چنانچہ ایسی احادیث جن کے فہم تک رسائی علماء کی مدد کے بغیر ممکن نہیں اور عوام ان کے مطالب سمجھنے کے لیے علماء سے دریافت کرتے ہیں۔ بلکہ احادیث بھی بہت سے مقامات ایسے بھی ہیں کہ ان کی تشریح و توضیح فقط خواص بلکہ اخص الخواص ہی کا فریضہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

ہے۔ آئندہ سطور کی عبارتوں سے ظاہر ہو گا کہ بعض روایات ایسی ہیں جن کی توضیح سے قبل مفہوم عقل سے ماورا ہے لیکن شیخ عبد العزیز دباغ نے ایسی عقلی و تمثیلی تشریحات ارشاد فرمائیں کہ اس تشریح کے بعد انسان پر روحانی کیفیت طاری ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

حدیث:۱

"خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي يَدِهِ كِتَابَانِ--------- وَلاَ يُنْقَصُ مِنْهُمْ أَبَدًا" (1)

مسئلہ کا تعارف

اس حدیث کے بارے میں اشکال پیدا ہوا کہ اس حدیث میں قدرت کا تعلق اور ناممکن چیز کے بارے میں سوال پیدا ہوتا ہے کیونکہ تمام اہل جنت کے نام ایک ایسی کتاب میں جمع کر دیئے گئے ہیں جن کا آنحضرت ﷺ کا دایاں ہاتھ اٹھا سکے اور اسی طرح اہل دوزخ کے نام ایسی کتاب میں جمع کر دیئے گئے ہیں جسے آپ بائیں ہاتھ میں اٹھا سکیں۔ علم الکلام کے اصول کے پیش نظر مذکورہ حدیث پر وارد ہونے والے اعتراض کو ابن مبارک نے اپنے شیخ کے سامنے پیش کیا وہ کہتے ہیں کہ علماء کرام کے مطابق قدرت الہیہ کا تعلق ممکنات سے ہوتا ہے محال سے نہیں۔ اس کے باوجود اس حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں لئے باہر نکل کر آئے اور کہا کہ اہل جنت کے نام مع ولدیت، قومیت اور قبیلے کے ایک میں اور اہل دوزوخ کے نام ان کی قوم اور قبیلے کے دوسری کتاب میں ہیں۔ حالانکہ دونوں کتابیں چھوٹی سی تھیں اور ناموں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس میں صغیر شئی کو کبیر پر وارد کیا گیا ہے۔ بدون اس کے کہ بڑی کو چھوٹا اور چھوٹی کو بڑا کیا جائے ورنہ کون سا دفتر ان کے ناموں کو ضبط کر سکتا ہے۔ یہ محال عقلی کی بڑی مضبوط دلیل ہے کہ وسیع چیز کو تنگ چیز پر داخل کیا گیا ہے۔ باوجود اس کے کہ چھوٹی چھوٹی رہی اور بڑی بڑی حالانکہ اس کی خبر دینے والا نبی ﷺ معصوم ہیں جو اپنی خواہش سے نہیں بولتے بلکہ بذریعہ وحی بولتے ہیں۔

شیخ دباغ کا نقطہ نظر

شیخ دباغؒ نے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ کچھ علماء کے کلام نے اور اہل السنت والجماعت نے کہا ہے کہ عقیدہ وہی ہے، ولی کی کرامت اور نبی کے معجزات میں ایسی چیز نہیں ہو سکتی جسے عقل ناممکن قرار دے لیکن ان میں ایسی باتیں ہوتی ہیں جن کے سمجھنے سے عقل قاصر ہوتی ہے مگر جب معنی مراد ہدایت کی جاتی ہے تو پھر عقل اس کو قبول کر لیتی ہے۔

مذکورہ کتابوں میں سے مراد کتابت قلم نہیں بلکہ کتابت نظر ہے اس کی تشریح یہ ہے کہ صاحب بصیرت سید الاولین والآخرین سیدنا و مولانا محمد ﷺ جب کسی چیز کو دیکھنے کا ارادہ کریں تو ان کی بصیرت اور اس شے کے درمیان تمام حجابات ہٹ جاتے ہیں۔ حتی کہ اس کی روشنی اس چیز تک پہنچ کر اس کا احاطہ کر لیتی ہے لہٰذا جب اس چیز کی صورت بصیرت میں حاصل ہوتی جاتی ہے اور ہم نے بصیرت کا ملہ ف کیا ہے تو اس کا اثر بصر تک جا پہنچتا ہے۔ لہٰذا جو قدرت بصیرت کو حاصل ہوتی ہے وہی بصر کو حاصل ہو جاتی ہے۔

چنانچہ بصر اپنے سامنے کی چیز میں اس شئی کے نقوش دیکھ لیتی ہے لہٰذا اگر بصر کے بالمقابل دیوار ہو گی تو اس چیز کو دیوار میں دیکھنے کا اگر اس کا ہاتھ ہو گا تو اسے ہاتھ میں دیکھے گا اور اگر اسکے بالمقابل کاغذ ہو گا تو اس چیز کو کاغذ میں دیکھ لے گا۔ یہی مراد حضور ﷺ کے اس فرمان کی عُتْ عَلَيَّ الجَنَّةُ وَالنَّارُ آنِفًا فِي عُ هَذَا الحَائِطِ۔(2) (مجھے اس دیوار کی پہنائی میں جنت و دوزخ دکھائی گئی ہے) کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنی بصیرت

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

کی توجہ ان کی طرف کی جبکہ آپ صلوٰۃ الکسوف پڑھ رہے تھے تو تمام پردوں کو پھاڑ کر آپ کی بینائی میں یہ دونوں آگئیں اور آپ کے سامنے دیوار کا ع تھا۔ لہٰذا آپ نے ان دونوں صورت دیوار میں دیکھ لی۔

دو کتابوں کی حدیث سے یہی مراد ہے کیونکہ آپ نے اپنی بصیرت سے جنت کی طرف توجہ کی تو اس کی صورت آپ کی بصارت میں آگئی۔ اس وقت آپ کے سامنے وہ کتاب تھی جو آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی تو آپ جنت اور اہل جنت کی صورت اس جسم میں دیکھنے لگ گئے جو آپ کے داہنے ہاتھ میں تھا اور کہا کہ یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے۔ اس میں اہل جنت کے نام مع ولدیت اور قومیت کے درج ہیں۔ پھر آپ نے اپنی بصیرت کو دوزخ کی طرف متوجہ کیا تو اس کی صورت آپ کی بصر میں آگئی اور آپ کے بالمقابل وہ جسم تھا جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھا۔ چنانچہ آپ اس کی صورت اور اس کی تمام چیزوں کی صورت دیکھنے لگ گئے اور کہا یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے اس میں دوزخیوں کے نام مع ولدیت اور قومیت کے درج ہیں۔ اگر عُرِضَتْ عَلَيَّ الجَنَّةُ وَالنَّارُ والی حدیث میں کوئی اشکال ہو سکتا ہے تو اس میں بھی ہو سکتا ہے اور اگر اس میں کوئی اشکال نہیں ہے تو اس میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے تو اس میں بھی نہیں ہے۔ اشکال اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب ہم قلم کی لکھت مراد لیں۔ اگر اس حدیث میں قلم کی لکھت مراد لی گئی تو حدیث کے آخری حصے میں اور اس میں تناقص پیدا ہو جاتا۔ کیونکہ اس حدیث کے آخر میں ہے" پھر آپ نے ان دونوں کتابوں کو پھینک دیا اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس کتاب کو جو رب العالمین کی طرف سے آئی ہو اور اس میں اللہ کے رسولوں ،اصفیاء اور برگزیدہ لوگوں کے نام ہوں پھینک دیں۔ حالانکہ آپ اللہ اور اس کے رسولوں اور فرشتوں کی سب سے زیادہ تعظیم کرنے والے تھے۔(3)

تجزیہ

شیخ دباغ نے مذکورہ حدیث پر ہونے والے اعتراض کا پہلا جواب تو یہی دیا کہ یہ معجزہ اور کرامت کی مثل ہے۔ اس کے بعد دوسرا جواب دیتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بصیرت عطا کی تھی۔ وہ ایسی بصیرت تھی کہ آپ بڑی سے بڑی چیز کو بھی اور پردہ کے پیچھے حتیٰ کہ تحت اسراء اور ع معلی کے اوپر بھی اس بصیرت سے دیکھ سکتے ہیں۔ جیسا کہ شیخ دباغ نے حدیث کی مثال دی ہے کہ مجھے اس دیوار کے پیچھے جنت اور دوزخ دکھائی دیتی ہے لہٰذا شیخ دباغ نے یہ کہا ہے کہ جو چیز عام لوگوں کے لیے ناممکن اور محال ہوتی ہے وہ خواص لوگوں کے لیے بطور معجزہ اور کرامت ممکن ہو سکتی ہے ۔اصل میں شیخ دباغ نے علم الکلام کے ساتھ ساتھ علم التصوف کا ایک مسئلہ بھی حل کر دیا کہ وحی اور کرامت ماوراء عقل ہوتی ہے۔ لہٰذا جس طرح نبی کریم کے معجزہ پر اعتراض نہیں ہو سکتا اس طرح وحی کی کرامت پر بھی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

حدیث:۲

"إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ "(4)

مسئلہ کا تعارف

نبی کریم کی حدیث مبارکہ میں سے کئی احادیث کو جوامع الکلم کہا گیا ہے شیخ دباغ نے بھی نبی کریم ﷺ کی ان جوامع الکلم احادیث میں سے ایک حدیث کی شرح بیان کی ہے اور اپنے باطنی علوم کی مدد سے جوامع الکلم کی تشریح اور توضیح کر کے شیخ دباغ نے علم التصوف کی ایک گتھی سلجھا دی ہے کہ علم الحرف کی رو سے حرف کا معنیٰ کچھ اور ہے لیکن حدیث کا معنیٰ کچھ اور ہے۔ ذیل میں حدیث مبارکہ پر اعتراض اور شیخ دباغ کی طرف سے اس حدیث کا جواب ملاحظہ ہو۔

سوال اس طرح پیدا ہوا کہ حرف کا لفظ لغت کے اعتبار سے ظاہر ہے جس میں اس قسم کا کوئی اشکال نہیں جس قسم کا صورتوں کے ابتدائی حروف میں ہے اور علماء نے اس کی تشریح میں بہت اختلاف کیا ہے جس کے مطالعہ سے پریشانی اور اشکال بڑھتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کی مراد تو ایک ہی ہوگی اور اختلافی اقوال کی تعداد چالیس تک پہنچ جاتی ہے جو اس کے مبہم اور دقیق ہونے کے موجب ہیں۔ کیونکہ کسی بات میں اقوال کی کثرت اس شئے کے متعلق عدم واقفیت کی سبب بنتی ہے لیکن اس کے باوجود ممکن ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی مراد کچھ اور ہی ہو جس کا ذکر ان تمام اقوال میں سے کسی ایک میں بھی نہیں کیا گیا؟ شیخ کی خدمت میں عرض گزار ہوا کہ میں تو آپ سے صرف یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ نے اس سے کیا مراد لی ہے؟

شیخ دباغ کا نقطہ نظر

احمد بن مبارک لکھتے ہیں کہ شیخ دباغؒ نے کہا کہ ان شاء اللہ کل جواب دیں گے۔ جب دوسرا دن ہوا تو کہنے لگے اور سچ کہا کہ میں نے نبی ﷺ سے دریافت کیا ہے کہ ان کی اس حدیث سے کیا مراد ہے؟ تو آپ ﷺ نے اپنی مراد کی تشریح کردی ہے۔

نبی ﷺ کی ذات شریف میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی قوت ودیعت کر رکھی ہے جس کے انوار سات قسم کے ہیں۔ ان ساتوں نوروں کے دو دو رخ ہیں۔ ایک حق تعالیٰ کی طرف اور دوسرا مخلوقات کی طرف۔ یہ انوار پہلے رخ میں متواتر فیضان کرتے رہتے ہیں اور کبھی نہیں تھمتے اور نہ ہی سست پڑتے ہیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ پر قرآن نازل کرنا چاہتے ہیں تو جو آیت نازل ہوتی ہے اس کے ساتھ پہلے رخ کے نور میں سے تھوڑا سا نور بھی ہوتا ہے۔ سارا تو نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو اللہ کی طرف توجہ ہونے کی وجہ سے نہ تھمتا ہے اور نہ سست پڑتا ہے۔ اس لیے مخلوقات کی طرف توجہ کے وقت صرف تھوڑا سا نور ظاہر ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ دوسری آیت اتارتا، تو اس میں دوسرے رخ کا کچھ نور ہوتا ہے۔ پھر تیسری آیت اترتی ہے اور اس میں تیسرے نور میں سے کسی قدر نور ہوتا ہے، اسی طرح ساتویں نور تک۔

یہ ساتوں نور جن کی طرف سات حروف کہہ کر اشارہ کیا گیا ہے، وہ سات حروف یہ ہیں (۱) حرف نبوت (۲) حرف رسالت (۳) حرف آدمیت، (۴) حرف روح (۵) حرف علم (۶) حرف قبض (۷) حرف بسط۔

۱۔ حرف نبوت

حرف نبوت کی شناخت یہ ہے کہ آیت صبر کا حکم دے رہی ہو، حق راہ بتا رہی ہو اور دنیا و شہوات دنیا سے نفرت دلوا رہی ہو۔ کیونکہ نبوت کا طبعی خاصہ حق کی طرف جھکنا حق بات کہنا، حق راہ بتانا اور حق میں خیر خواہی کرنا ہے۔

۲۔ حرف رسالت

حرف رسالت کی یہ علامت ہے کہ آیت میں آخرت، اس کے درجات، مقامات اور ثواب وغیرہ کا ذکر ہو۔

۳۔ حرف آدمیت

حرف آدمیت کا ماحصل وہ نور ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں ودیعت کر رکھا ہے اور انہیں اس سے انسانی کلام کرنے پر قادر کیا ہے تاکہ ان کا کلام ملائکہ جنوں اور باقی تمام کلام کرنے والی مخلوقات کے کلام سے ممتاز ہو سکے اور باوجود یہ کہ یہ صفت ہر انسان میں پائی جاتی ہے۔ اسے ان ساتوں میں اس لئے شامل کیا گیا کہ یہ صفت آنحضرت ﷺ میں طہارت اور صفائی کے لحاظ سے انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ طہارت اور

صفائی میں آپ کی ذات کا کمال اس درجے تک پہنچ چکا ہے جس سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں ہو سکتا اور آنحضرت ﷺ کی ذات کے سوا کسی اور کی ذات میں اس کا ہونا بھی ناممکن ہے اور کوئی آیت بھی ایسی نہ ہو گی، جس میں یہ نور نہ پایا جائے کیونکہ قرآن اسی بشری لغت میں نازل ہوا ہے۔

۴۔ حرف روح

حرف روح کی نشانی یہ ہے کہ آیت کا تعلق اللہ تعالیٰ اور اس کی بلند صفات سے ہو اور اس میں مخلوق کا کوئی ذکر نہ ہو۔ کیونکہ روح ہمیشہ حق کا مشاہدہ کر رہی ہوتی ہے۔ لہٰذا جب اس صفت پر آیت اترے گی تو اس کے ساتھ نورِ روح موجود ہو گا۔

۵۔ حرف علم

حرف علم کی پہچان یہ ہے کہ آیت میں گزشتہ لوگوں کے حالات بیان کیے گئے ہوں۔ مثلاً عاد، ثمود، قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح وغیرہ کے حالات یا اس میں کسی رائے کے مذموم ہونے کی اطلاع دی گئی ہو۔ مثلاً اللہ کا فرمان:

"أُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا کَانُوْا مُهْتَدِیْنَ"(5)

"یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کو دے کر گمراہی خرید لی ہے جس تجارت سے نہ کوئی فائدہ ہے اور نہ اس میں کسی طرح کی ہدایت ہے۔"

مختصر یہ کہ قصص مواعظ اور حکم وغیرہ حرف علم پر نازل ہوں گی اور اس حرف کا نور اسے عطا ہو جائے اس سے جہالت کی نفی ہو جاتی ہے اور وہ عارف معرف بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جوان ہو گیا ہو پھر اسے شہر میں ایسی حالت میں لایا جائے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس حرف کے نور سے مدد کی ہو تو اس صورت میں جس شخص نے تمام عمر علم حاصل کرنے میں لگا دی ہو وہ اس شخص کے ساتھ کسی باب میں بھی بحث نہیں کر سکتا۔

۶۔ حرف قبض

حرف قبض کی پہچان یہ ہے کہ آیت کا روئے سخن کفار اور تاریکی کی طرف ہو چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ کبھی تو آپ انہیں بد دعا دے رہے ہیں اور کبھی انہیں دھمکی دے رہے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان:

"فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ بِمَا کَانُوْا یَکْذِبُوْنَ"(6)

"ان کے دلوں میں بیماری ہے اور اللہ نے نفاق کی بنا پر اسے اور بھی بڑھا دیا ہے۔ اب اس جھوٹ کے نتیجہ میں انہیں دردناک عذاب ملے گا۔"

اس کی وجہ یہ ہے کہ نور اور تاریکی کی فوجیں متواتر آپس میں لڑتی رہتی ہیں۔ جب آنحضرت ﷺ کی توجہ تاریکی کی طرف ہوتی ہے تو آپ میں انقباض پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے مذکورہ قسم کی آیات آپ سے نکلتی ہیں۔

۷۔ حرف بسط:

حرف بسط کی علامت یہ ہے کہ مخلوقات پر اللہ تعالیٰ نے جو انعامات کیے ہیں ان کا ذکر آیت میں کیا جائے اور مخلوقات کو یہ نعمتیں گنائی جائیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کی توجہ ان نعمتوں کی طرف ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات پر کی ہیں تو آپ کو انبساط ہوتا جس کی وجہ سے آیت بھی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

مقام بسط سے نکلتی۔ اس مختصر وضاحت کے بعد شیخ نے ان سات حروف کی گہرائی و گیرائی کو ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ذکر کردہ تو محض ان حروف کی پہچان کے لیے ہے۔

ورنہ ہر حرف میں 366 وجہیں ہیں۔ اگر میں ہر حرف میں ان وجوہ کی تشریح کروں اور ان کی تشریح ہر آیت میں ظاہر کروں تو لوگوں کے سامنے آنحضرت ﷺ کا باطن سورج کی طرح روشن ہو جائے، مگر یہ ان اسرار میں سے ہے جن کا چھپانا واجب ہے اور جن لوگوں پر اللہ کی فتح کبیر ہوتی ہے اور وہ اسے جانتے ہیں اور جسے فتح حاصل نہیں اسے اپنی حالت پر ہی چھوڑ دینا چاہیے۔ (7)

تجزیہ

شیخ دباغ کی روحانی نظر سے سبع الحروف سے مراد نبوت، آدمیت، روح، رسالت، علم، قبض اور بسط ہے۔ یہ وہ معانی ہیں جن کو مختلف مفسرین نے اور شارحین نے ذکر کیا ہے لیکن شیخ دباغ یہ کہتے ہیں کہ یہاں ایک ایک حرف کے 366 معانی ہیں اور یہ اسرار نبوت سے ہیں۔ جن کا لوگوں پر ظاہر کرنا لازم نہیں بلکہ چھپانا ضروری ہے۔ مذکورہ بالا حدیث کی تشریح میں شیخ دباغ نے قرآن مجید کے جو سات نور ہیں وہ ذکر کرتے ہیں جو ایک صوفی کے لیے لازم ہیں۔ جیسے علم ہے ایک صوفی کے لیے علم کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ علم کی ضد جہالت ہے اس طرح دیگر علوم ستہ کے انوار کا ہونا بھی لازم ہے۔

حدیث:۳

"الرُّؤْيَا الحَسَنَةُ، مِنَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ، جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ»۔" (8)

مسئلہ کا تعارف

"الابریز" میں شیخ دباغ کی طرف سے ایک حدیث پیش کی گئی ہے۔ جو حدیث خالصتاً صوفیہ اور علم التصوف کی عکاس ہے۔ درج ذیل حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ نیک آدمیوں کے خواب نبوت کا چھیالیسواں جزہیں۔ اس حدیث پر متکلمین کے اعتراض تو اپنی جگہ پر ہیں لیکن شیخ دباغ سے اجزاء نبوت کے متعلق سوال کیا گیا ہے کہ نبوت کے کتنے جزہیں؟ اور کیا نبوت کے اجزاء ممکن بھی ہیں یا نہیں؟

شیخ دباغؒ سے سوال کیا گیا کہ مذکورہ حدیث میں اجزاء نبوت سے کیا مراد ہے؟ اور اس حدیث کی روایات کے اختلاف میں کیا حکمت ہے؟ اور کیا ان تمام احادیث میں تطبیق ہو سکتی ہے؟ تا کہ ان سب کے مطابق حدیث کی روایت ہو سکے کیونکہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں بڑے بڑے محدثین کی آراء مختلف ہیں اور انہوں نے کوئی نتیجہ خیز بات نہیں کہی۔

شیخ دباغ کا نقطہ نظر

شیخ دباغؒ نے کہا اجزاء نبوت سے مراد وہی آدمیت، قبض، بسط اور خود نبوت کے اجزاء ہیں۔ چنانچہ (۱) آدمیت کے اجزاء کمال صورت ظاہری، (۲) کمال حواس ظاہری (۳) کمال صورت باطنی (۴) کمال حواس باطنی (۵) ذکوریت (۶) نزع حظ شیطان اور (۷) کمال عقل اور قبض کے سات اجزاء (۱) حاسہ (۲) ساریہ (۳) انصاف، نفرت عن (۴) الضد، حق گوئی سے نہ شرمانا (۵) امتثال امر (۶) میل الی الجنس (۷) قوت انقباض۔ (ص ۱۹۳)

بسط کے اجزا(۱)فرخ کامل(۲)ذات میں خیر کام(۳)فتح حواس ظاہر(۴)فتح حواس باطنہ(۵)مقام رفعت(٦)حسن تجاوز اور(۷)انکساری
۔

نبوت کے سات اجزا(۱)حق گوئی(۲)صبر(۳)رحمت کاملہ(۴)معرفت الٰہیہ(۵)خوف تام(٦)بغض باطل اور(۷)عفو۔کل اٹھائیس ہوئے،ان اجزا کی شرح بیان کی جاچکی ہے۔اگر چاہو تو اس کو دیکھ لو۔پھر ذکوریت اس سے خارج ہو جاتی ہے کیونکہ مرد اور عورت دونوں کو خواب آتی ہے۔لہٰذا ستائیں رہ گئے اور ابن ابی جمرہ کی ستائیس والی روایت اسی پر محمول کی جائے گی اور کمال صورت ظاہرہ کو بھی خارج کر دیں کیونکہ اگرچہ یہ اجزاء نبوت میں میں سے ہے مگر خواب سے اس کا کوئی خاص تعلق نہیں ہے تو باقی چھبیس رہ جائیں گے تو ابن عبد البر کی مذکورہ چھبیس والی روایت کو اسی پر محمول کریں گے اور اگر اسی وجہ سے کمال صورت باطنہ کو بھی نکال دیں تو پچیس باقی رہ جائیں گے۔ابن ابی جمرہ کی مذکورہ بالا پچیس والی روایت کو اسی پر محمول کریں گے اور کمال حواس ظاہرہ کو بھی اسی سبب سے نکال دیں تو چوبیس باقی رہ جائیں گے اور نووی کی مذکورہ بالا چوبیس والی روایت کو اسی پر محمول کریں گے۔

حضرت نے کہا یہ تو اس صورت میں ہے جب بغیر رسالت کے صرف نبوت کے اجزاء لئے جائیں گے۔ورنہ روح وعلم اور رسالت تینوں کے سات سات اجزاء جن کی تفصیل وشرح گزر چکی ہے اس پر اضافہ ہوں گے اور نبوت کے مجموعی اجزا انچاس ہو جائیں گے۔اس پر طبری اور احمد کی عبداللہ بن عمرو العاص کی روایت محمول ہو گی اور اگر ذکوریت اور کمال باطنی کو بھی خارج کر دیا جائے تو سینتالیس باقی بچیں گے اور اس پر قرطبی کی روایت محمول ہو گی اور اگر کمال صورت باطنی کو بھی خارج کر دیں تو چھیالیس رہ جائیں گے اور یہی بخاری کی صحیح متفق علیہ روایت ہے اور اگر کمال حواس ظاہرہ کو بھی خارج کر دیا جائے تو باقی پینتالیس رہ جاتے ہیں جس پر مسلم کی روایت محمول ہو گی۔حضرت نے کہا یہ ان سات روایتوں کی توجیہات ہیں اور باقی روایات کی صحت کی مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی لہٰذا ان کی توجیہ کرنی بیکار ہے۔(9)

تجزیہ

شیخ دباغ نے نبوت کے اجزاء کا ذکر تو کر دیا ہے اور ان اجزاء کے نام بھی ذکر کر دیے ہیں لیکن سوال یہ ہوتا ہے کہ مذکورہ حدیث میں صوفیانہ فکر کیسے ظاہر ہوتی ہے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ شیخ دباغ نے نبوت کے جو اجزاء ذکر کیے ہیں دراصل وہ صوفیہ کو بتانا چاہتے ہیں کہ کوئی بھی صوفی اس وقت تک کابل اور اکمل نہیں ہو سکتا جب تک ان صفات کمالیہ پر عمل نہ کرے۔

دوسرے الفاظ میں ایک صوفی اور متصوف کے درمیان فرق کرنے کے لیے مذکورہ بالا صفات ایک آئینہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔جیسے ایک قسم یہاں بیان کی گئی ہے فتح حواس ظاہرہ یعنی ظاہری حواس کے اوپر ایک صوفی جو ہے اسکا غلبہ ہو اور وہ کبھی بھی ان حواس کو اپنے راہ میں رکاوٹ نہ بننے دے۔

حدیث:۴

"قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا الْإِحْسَانُ؟ قَالَ: «أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنَّكَ إِنْ لَا تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ» -"(10)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

مسئلہ کا تعارف

شیخ دباغ نے علم تصوف کی سب سے بنیادی ماخذ حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس حدیث میں ایک مخصوص چیز کے ذریعے سے اعتراض کر کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے اور شیخ دباغ نے اپنے علمی نقطہ کے بیان میں ایک ایسی مثال پیش کی ہے جو عام فہم ہے اور ہر شخص اس کو سمجھنے کی طاقت رکھتا ہے۔ احمد بن مبارک نے اپنے شیخ دباغؒ سے دریافت کیا کہ اس مذکورہ بالا حدیث کا کیا مطلب ہے ؟

شیخ دباغ کا نقطہ نظر

شیخ دباغؒ نے اس حدیث کی تشریح ایک مثال دے کر بیان کی کہ فرض کرو ایک شخص ایک کھلے میدان میں آتا ہے جہاں اسے کوئی شخص بھی دکھائی نہ دیتا ہو اور وہ کسی سخی کو جو وہاں موجود نہیں پکار رہا ہو کہ اے میرے آقا مجھے فلاں چیز دے۔ مجھ سے یوں برتاؤ کر مجھے فلاں چیز درکار ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو اسے کھیل اور مذاق کرنے والا سمجھا جائے گا نہ کہ سائل اور جو بھی اسے دیکھے گا اس کا مذاق اڑائے گا اور ہنسے گا اور اگر اس کا یہ خیال ہو کہ یہ کھیل کر لینا ہی درخواست کرنا ہے اور یہ خیال کرنا کہ وہ اس مالدار کے دروازے پر کھڑا ہے تو یہ بھی ذلت کا سبب اور گمراہی پر گمراہی ہوگی۔

پھر کہا کہ اگر اس غنی کے سامنے کھڑے ہو کر زبان سے درخواست کرے تو اس وقت نہ صرف زبان سے درخواست کرے گا بلکہ اس کا بدن بھی جھک جائے گا اور اس کے اعضاء میں بھی عاجزی کا اظہار کرے گا تب جا کر وہ غنی اس کی طرف بنظر رحمت دیکھے گا اور اس کی درخواست منظور کرے گا۔ خیال کرنے والا یہی خیال کرے گا کہ غنی نے اسے جو کچھ دیا ہے اور اس کے زبانی سوال کی وجہ سے دیا ہے حالانکہ اس نے جو کچھ بھی دیا ہے اسے اس باطنی خشوع وخضوع کی وجہ سے دیا ہے جو اس کے تمام اعضاء میں ظاہر ہوا تھا اور یہ ناممکن ہے کہ اس وقت اس کے باطن میں اس غنی کے علاوہ اور کسی کا دھیان جاگزیں ہوا ہو۔

شیخ دباغؒ نے کہا پس اس مثال میں دیئے ہوئے مفہوم اور دونوں حالتوں کے فرق کی طرف آنحضرت ﷺ نے یہ فرما کر اشارہ کیا کہ ان تعبد اللہ کانک تراہ (کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے) یعنی جس نے اللہ کے سامنے حضوری کی صورت میں اللہ کی عبادت کی تو اس نے اچھی طرح عبادت کی اور جس نے ایسا نہ کیا یعنی عبادت کو غفلت سے ادا کیا تو اس کی عبادت اچھی نہ ہوگی اور حضور اور غفلت کی عبادت کی پہچان اس طرح ہے کہ عبادت کے وقت عبادت گزار کے باطن کی طرف نظر جائے اگر اس کے باطن کو دنیوی امور اور ان دنیوی حاجات نے مشغول کر رکھا ہو جو اللہ سے غافل کر دیتے ہیں تو اسکی مثال پہلے شخص کی سی ہے لیکن اگر اس کا باطن ماسوی اللہ سے خالی ہو اور کلی طور پر اللہ کی طرف متوجہ ہو تو ایسی حالت والا انسان دوسری قسم کے شخص کی طرح ہوگا۔ (11)

تجزیہ

شیخ دباغ نے دراصل درج بالا حدیث میں علم التصوف پر ہونے والے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے کیونکہ تصوف کے ماننے والے جو لوگ ہیں وہ تصوف کو احسان کا درجہ دیتے ہیں۔ اور مذکورہ بالا حدیث ہی بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ شیخ دباغ نے مذکورہ بالا حدیث پر اس انداز میں بیان کیا ہے کہ فرض کریں کہ ایک شخص کھلے میدان میں آتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے فلاں چیز دے دیں تو اس شخص کو کوئی مذاق کرنے والا یا پاگل ہی سمجھا جائے گا۔ شیخ دباغ کہتے ہیں کہ ایسے ہی اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس انداز میں کرو کہ اللہ نہیں دیکھ رہا ہے ہاں تم اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھ

رہے ہو۔ تو ایسے اعتراض کی وجہ سے علم التصوف کی بنیادی ماخذ حدیث سے یہ سوالیہ نشان اٹھ جائے گا۔ اور اس وجہ سے اس حدیث پر ہونے والے اعتراض کا جواب دیا ہے۔

حدیث:۵

"فَلَمْ أَرَ ذَنْبًا أَعْظَمَ مِنْ سُورَةٍ مِنَ القُرْآنِ أَوْ آيَةٍ أُوتِيهَا رَجُلٌ ثُمَّ نَسِيَهَا۔"(12)

مسئلہ کا تعارف

احمد بن مبارک نے شیخ دباغ سے ایک اور حدیث بیان کی کہ امت کے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی آدمی ایک آیت بھول جائے یہ سب سے بڑا گناہ ہے اور اس حدیث اور اس کی سند کے متعلق شیخ دباغ نے اس حدیث کی تشریح میں جو نقطہ بیان کیا ہے اسکو زیر تحریر لایا گیا ہے کہ مذکورہ بالا حدیث میں کس کی روایت صحیح ہے؟ اور اس کا مفہوم کیا ہے؟

شیخ دباغ کا نقطہ نظر

حضرت نے کہا کہ حدیث تو صحیح ہے کیونکہ آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا نور اس میں موجود ہے مگر یہ حدیث ان لوگوں کے بارے میں نہیں جنہوں نے ایک آیت حفظ کی اور پھر اسے بھول گئے ہوں یعنی اس کے لفظ بھول گئے ہوں خواہ اس آیت پر وہ عمل کرنے والا ہو۔ یہ حدیث تو صرف ان لوگوں کے متعلق ہے جن کے پاس قرآن پہنچا مگر انہوں نے بے رخی برتی اور اپنے آپ کو اس کے نور سے محروم رکھا اور اس نور کے بدلے میں ظلمت کو اختیار کیا اس طرح کہ اس نے جس امر حق کا قرآن میں ذکر ہے اسے چھوڑ کر گمراہی کی تابعداری کی حالانکہ گمراہی وہ ظلمت ہے جو بندے کو دنیا اور آخرت میں اللہ سے دور کرنے والی چیز ہے جیسا کہ آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے زمانے کے منافقین کا حال تھا۔ پس یہ حدیث انہی کے بارے میں وارد ہوئی انہی پر پوری اترتی ہے اور اس کا اشارہ بھی انہی کی طرف ہے۔ کیونکہ بظاہر تو ان کا شمار امت اجابت میں ہے جو خاص امت خیال کی جاتی ہے اور اس امت میں منافقت اور باطنی فکر سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں۔

مزید کہا: قرآن میں تین قسم کے نور ہیں۔(۱) اللہ کی طرف ہدایت کا نور (۲) احکام کی تعمیل کا نور اور (۳) نواہی سے پرہیز کرنے کا نور۔ لہٰذا جو شخص اپنی ذات میں ان تینوں نوروں کو داخل نہ ہونے دے حالانکہ وہ انہیں سن رہا ہے تو اس حدیث سے وہی شخص مراد ہے۔(13)

تجزیہ

شیخ دباغ اصل میں اس جگہ پر صوفیہ اور اولیاء کرام کی شان بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ مذکورہ بالا حدیث سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ قرآن پاک کی ایک آیت کا بھول جانا ہی بہت بڑا گناہ ہے اگر کوئی صوفی یا کوئی نیک بندہ جانے انجانے میں ایک آیت بھول جائے تو اس میں اس کی تمام گناہوں پر یہ ایک چھوٹا کام حاوی آجائے گا۔ شیخ دباغ نے اس سلسلے میں قرآن کو نور ذکر کیا ہے جبکہ کوئی صوفی قرآن کی ایک آیت کو بھولتا ہے تو اس قدر وہ نور اس سے چلا جاتا ہے۔

حدیث:۶

"تَحَاجَّتِ الجَنَّةُ وَالنَّارُ، فَقَالَتِ النَّارُ: أُوثِرْتُ بِالْمُتَكَبِّرِينَ وَالمُتَجَبِّرِينَ، وَقَالَتِ الجَنَّةُ: مَا لِي لاَ يَدْخُلُنِي إِلَّا ضُعَفَاءُ النَّاسِ وَسَقَطُهُم" (14)

مسئلہ کا تعارف

شیخ دباغ نے علم التصوف کی رو سے اصل میں جنت اور دوزخ کی فضلیت اور برتری کا ذکر کیا ہے کیونکہ صوفیہ کا نقطہ نظر بھی ہے کہ ہم اللہ کی عبادت جنت اور دوزخ کے ڈر کے حصول کے لیے نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالی کی رضا کے لیے کرتے ہیں بلکہ اہل صوفیہ کے ہاں یہ وصف پایا جاتا ہے کہ وہ کوئی بھی کام ائے الٰہی کے لیے کرتے ہیں۔ شیخ دباغ نے اس مقصد کے پیش نظر اس حدیث کا مفہوم بیان کیا ہے۔

شیخ دباغؒ سے سوال کیا گیا کہ جب جنت اور دوزخ کی آپس میں بحث ہوگئی تو دوزخ نے کہا مجھے تو متکبر لوگوں پر مامور کیا گیا ہے۔ جنت نے کہا: کیا بات ہے کہ مجھ میں کمزور اور ادنٰی درجے کے لوگوں کے سوا کوئی اور داخل نہ ہوگا"۔ اس سے ثابت ہوا کہ جنت نے تو گویا دوزخ کے غالب ہونے کا اعتراف کر لیا کیوکہ وہ تو متکبرین سے مخصوص ہے اور جنت میں صرف کمزور لوگ داخل ہوں گے ؟

شیخ دباغؒ کا نقطہ نظر

شیخ دباغؒ نے کہا کہ آخرت میں مکان مکینوں کے حال کا تابع ہوگا۔ اگر مکین متکبر اور مغرور ہوں گے تو ان کے بھی کچھ اوصاف مسکن میں سرایت کر جائیں گے لہٰذا دوزخ پر اس کے مکینوں کے اوصاف ظاہر ہوئے اور اگر ساکنین متواضع اور منکسر المزاج لوگ جنتی ہوں گے تو جنت پر اس کے مکینوں کے۔ پس بظاہر تو بحث اور تکرار جنت اور دوزخ کے درمیان ہوئی مگر مقصد اصلی دوزخیوں اور جنتیوں کے باطن کا اظہار ہے اس لئے دوزخ نے اپنی دلیل میں اس چیز کا ذکر کیا جس میں غرور اور گھمنڈ پایا جاتا ہے اور جنت نے اپنی دلیل میں اس چیز کا ذکر کیا جس میں تواضع اور عاجزی پائی جاتی ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ اس بحث میں جنت دوزخ پر غالب آئی کیونکہ اس کی دلیل کا ماحصل یہ ہے کہ جنت نے کہا کہ اللہ کے سامنے تواضع کرنے والے عاجزی کرنے والے اور اللہ کو پہچاننے والے مجھ میں داخل ہوں گے اور دوزخ نے کہا مجھ میں صرف متکبر، جابر اور وہ لوگ داخل ہوں گے جنہیں اپنے رب کا علم نہیں اور جنہیں اللہ کی بارگاہ اور آستانہ رحمت سے نکال دیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ گویا جنت نے کہا کہ مجھ میں صرف اللہ کے حبیب داخل ہوں گے اور گویا کہ دوزخ نے یوں کہا کہ مجھ میں صرف اللہ کے دشمن داخل ہونگے۔ (15)

تجزیہ

اس حدیث کی تشریح بھی شیخ نے اپنے باطنی علم کی بدولت ایسی بیان کی ہے کہ جس سے نہ صرف معترض کا اعتراض دور ہو گیا بلکہ جنت کی فضیلت بھی ثابت ہو جاتی ہے۔

حدیث:۷

"وَفَتَرَ الوَحْيُ فَتْرَةً حَتَّى حَزِنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا بَلَغَنَا، حُزْنًا غَدَا مِنْهُ مِرَارًا كَيْ يَتَرَدَّى مِنْ رُءُوسِ شَوَاهِقِ الجِبَالِ، فَكُلَّمَا أَوْفَى بِذِرْوَةِ جَبَلٍ لِكَيْ يُلْقِيَ مِنْهُ نَفْسَهُ تَبَدَّى لَهُ جِبْرِيلُ،" (16)

مسئلہ کا تعارف

شیخ دباغؒ سے اس حدیث کی نسبت پوچھا گیا کہ نزول وحی کے ابتدائی زمانے میں جب جبرائیل کچھ مدت وحی لے کر نہ آئے تو آپ ﷺ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنے آپ کو چھینک دینے کا ارادہ کرتے اور یہ جبرائیل علیہ السلام کی ملاقات کے شوق میں کرتے اس پر جبرائیل علیہ السلام ظاہر ہوتے اور کہتے آپ ﷺ رب العالمین کے رسول ہیں۔ اس سے آنحضرت ﷺ کو تسکین ہوتی۔ تو اس سے کیا مفہوم مراد ہے؟

شیخ دباغ کا نقطہ نظر

شیخ دباغؒ نے کہا ایک شخص کو میں جانتا ہوں کہ اس نے ابتدائے سلوک میں ایک دن کے اندر نوے مرتبہ گھر کی چھت سے اپنے آپ کو نیچے پھینکا مگر اس سے اسے کوئی تکلیف نہ پہنچی اور ایسا ہوتا تھا جیسے کوئی اپنے بستر پر لیٹ رہا ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدائی حالتوں میں روح کو ذات پر غلبہ ہوتا ہے اور تمام کائنات روح کے لیے یکساں ہوتی ہے۔ چنانچہ روح ہوا پر اسی طرح چار زانو بیٹھ جاتی ہے جس طرح کہ زمین پر اور ہوا میں اسی طرح لیٹ جاتی ہے جس طرح کہ ایک آدمی اپنے بستر پر لیٹ جاتا ہے اور اس کے نزدیک بے ضرر ہونے میں پتھر، ریشم، اون اور پانی سب برابر ہیں۔ لہٰذا اگر آنحضرت ﷺ اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا بھی دیتے تو اس میں انہیں ذرہ برابر تکلیف نہ ہوتی چہ جائیکہ ہلاکت۔ لہٰذا اس کے عزم کرنے میں آپ پر کوئی نقص لازم نہیں آتا۔(17)

تجزیہ

شیخ دباغ نے مذکورہ بالا حدیث میں صوفی کی سب سے بڑی خواہش کا ذکر کیا ہے جس میں ہر صوفی یہ چاہتا ہے کہ اسے اللہ کی اور قرب الٰہی حاصل ہو لیکن جب وہ اس راستے پر ناکام ہوتا ہے تو پھر وہ اپنے آپ کو مار دینے پر ہی عافیت سمجھتا ہے۔ اس مسئلہ پر شیخ دباغ نے اس کی توجیہ ذکر کی ہے۔

حدیث:۸

”حَدَّثَنَا أَبُو اليَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ المُسَيِّبِ، وَعَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ اللَّيْثِيُّ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، أَخْبَرَهُمَا: أَنَّ النَّاسَ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ القِيَامَةِ؟فَيَأْتِيهِمُ اللَّهُ فَيَقُولُ: أَنَا رَبُّكُمْ، فَيَقُولُونَ هَذَا مَكَانُنَا حَتَّى يَأْتِيَنَا رَبُّنَا، فَإِذَا جَاءَ رَبُّنَا عَرَفْنَاهُ“ (18)

مسئلہ کا تعارف

شیخ دباغؒ سے اس حدیث کا مطلب پوچھا گیا کہ محشر میں اللہ تعالیٰ مومنین کے سامنے ایسی صورت میں آئیں گے جسے وہ نہیں پہچانتے ہوں گے تو وہ اس سے پناہ چاہیں گے اور کہیں گے کہ ہم تو یہیں کھڑے رہیں گے جب تک ہمارا رب نہ آئے گا اور وہ جب آئے گا تو ہم اسے پہچان لیں گے۔ پھر حق تعالیٰ ایسی صورت میں آئیں گے کہ وہ اسے پہچان لیں گے اور فوراً سجدے میں گر جائیں گے۔ اس حدیث کا مطلب کیا ہے؟ اور اس پہلی اور دوسری صورت سے کیا مراد ہے؟

شیخ دباغ کا نقطہ نظر

شیخ دباغؒ نے کہا کہ صورت سے مراد حالت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی دو حالتیں ہیں ایک حال میں یعنی پہلی حالت میں مومن اسے پہچان نہ سکیں گے اور دوسری حالت میں مومن اسے پہچان سکیں گے کیونکہ جب کوئی اپنے دوست سے مخاطب ہوتا ہے تو اس کے کلام کے ساتھ اسی قسم کا کوئی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

نور نہیں نکلتا بلکہ وہ مہربانی وغیرہ سے عاری ہوتا ہے اور یہ ایک عام بات ہے جسے ہر شخص جانتا ہے کیونکہ جب دوست دوست سے کلام کرتا ہے تو تو دیکھے گا کہ وہ اس سے نرمی سے پیش آئے گا اور اس کا لہجہ مہربانی اور پیار کا لہجہ ہوگا اور اس سے ہر طرح کی مسرت کا اظہار کرے گا اور جب دشمن سے ہمکلام ہوگا تو اس کے کلام میں انقباض اور ترشروئی ہوگی جب یہ بات سمجھ آگئی تو اب سمجھو کہ پہلی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ساری امت کو خطاب کیا جس میں اس کے دوست یعنی مومن اور دشمن یعنی منافقین سب شامل تھے۔ اس لئے اس حالت میں وہ انوار نہ نکلے جن کو مومن اپنے رب کے کلام میں پایا کرتے تھے اور چونکہ یہ انوار ان کی ذات اور روح میں پائے جاتے تھے اور دنیا ہی میں اللہ نے یہ انوار ان کو عطا فرمائے تھے اس لئے وہ انہیں پہچانتے تھے اس لئے جب انہوں نے پہلی صورت میں خطاب سنا تو انہوں نے اللہ سے پناہ طلب کی اور کہا کہ یہ تو ہمارا رب نہیں ہے کیونکہ ہمارے اور ہمارے رب کے درمیان تو ایک خاص علامت ہے اور یہ علامت وہی انوار ہیں جو اس کے خطاب میں پائے جاتے ہیں۔ جب ان کی زبان سے اس قسم کے الفاظ نکلیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ صرف مومنین سے خاص طور پر مخاطب ہوں گے اور اس خطاب کے ساتھ وہ سابقہ انوار جن سے وہ مانوس تھے پائے جائیں گے۔ لہٰذا جب یہ انوار ان پر برسیں گے اور انہیں ان کا علم ہو جائے گا تو ان کو یقین ہو جائے گا کہ یہ حق سبحانہ وتعالیٰ ہی کا جلوہ ہے تو وہ سجدے میں گر پڑیں گے اور یہ دوسری حالت وہی حالت ہوگی جس سے وہ پہلے سے مانوس ہوں گے۔ پہلی صورت میں چونکہ خطاب سب کو کیا گیا تھا جس میں دشمن بھی شامل ہیں اس لئے اس میں انوار کا نزول نہیں ہوا مگر دوسری صورت میں دشمنوں پر پردہ ڈال دیا گیا اور صرف دوستوں سے خطاب ہوا لہٰذا اس خطاب کے ساتھ وہ انوار نکلے جن کا مشاہدہ وہ اپنی ذات میں کیا کرتے تھے اور جس کے اسرار اپنے ظاہر وباطن میں وہ دیکھا کرتے تھے۔(19)

تجزیہ

شیخ دباغ نے مذکورہ بالا حدیث میں تصوف کے حوالے سے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے وہ اعتراض یہی ہے کہ صوفیہ کہتے ہیں کہ ہم ہر کام اللہ کی ااور اس کے دیدار کے لیے کرتے ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے قیامت والے دن ان نیک صالحین کو دیدار الٰہی میسر ہوگا۔ تو پھر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنے کی بجائے سجدے میں کیوں پڑ جائیں گے۔ حالانکہ صوفیہ کا مطلوب اور مقصود بھی دنیا میں دیدار الٰہی رہا ہے۔ لیکن جب دیدار حاصل ہوتا ہے تو پھر وہ دیدار الٰہی کو چھوڑ کر سجدہ میں کیوں پڑ گئے۔ شیخ دباغ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ قیامت والے دن جب اللہ کے نیک بندوں پر انعامات کی بارش ہوگی اور دیدار الٰہی نصیب ہوگا تو یہ پہلا موقع ہوگا کہ ان کو براہ راست دیدار الٰہی کا جلوہ ہوگا۔ تو یہ لوگ ذات الٰہی سے اپنے آپ کو مانوس کرنے کے لیے بارگاہ الٰہی میں شکرانے کے طور پر سجدہ شکر میں پڑ جائیں گے۔

حدیث:۹

"إِنَّ قُلُوبَ بَنِي آدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمَنِ، كَقَلْبٍ وَاحِدٍ، يُصَرِّفُهُ حَيْثُ يَشَاءُ" (20)

مسئلہ کا تعارف

شیخ دباغ نے صوفیہ کے ہاں تصرف انگلی کی وضاحت کرنے کے لیے ایک حدیث بیان کی اور پھر اسکی تشریح کی۔ شیخ دباغؒ سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا گیا کہ اس حدیث میں دو تصرفات سے کیا مراد ہے؟

شیخ دباغ کا نقطہ نظر

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

شیخ دباغؒ نے کہا کہ انگلی سے مراد معنوی انگلی ہے یعنی تصرف جو انگلی کے ذریعہ ہوا کرتا ہے۔ لہذا مطلب یہ ہوا کہ بندے کا دل تصرفات الٰہیہ میں سے دو تصرف کے درمیان ہے۔ ایک مقتضائے ذلت اور دوسرا مقتضائے روح۔ کیونکہ ذات مٹی سے بنی ہے لہذا خواہشات کی طرف مائل ہوتی ہے اور روح نور سے بنی ہے۔ لہذا یہ حقائق اور معارف کی طرف مائل ہوتی ہے اور ان دونوں میں ہمیشہ مخالفت اور تصادم رہتا ہے۔ میں نے سوال کیا کہ دونوں میں غالب کون ہے؟ روح کا تصرف حرکات میں ہوتا ہے اور ذات کا تصرف اسرار میں چلتا ہے لہذا حرکت کے اعتبار سے روح غالب رہتی ہے اور اپنے سر خبیث کے اعتبار سے ذات غالب رہتی ہے اسی لئے شکر گزار بندے کم ہیں ان کی مثال چکی کے دو پاٹوں کی سی ہے۔ روح کی مثال اوپر والے پاٹ کی ہے کیونکہ وہی حرکت کرتا ہے اور ذات نچلے پاٹ کی طرح ہے کہ اندرونی سوزش وشورش اسی کا کام ہے اوپر کے پاٹ کی مثال ایسی ہے جیسی کہ دیگچی کے اوپر کی، چینی بیرونی طور پر دیگچی پر اثر کرتی ہے کہ بھاپ روک کر کھانا پکاتی ہے اور دیگچی اندرونی طور پر (دیگچی کی حرارت سے یہ گرم اور بے قرار ہوتی ہے)۔(21)

"اعاذنا الله من درک الشقاء وسوء القضاء"

"اللہ ہمیں بدبختی کی مذلت اور قضا بد سے بچائے۔"

تجزیہ

شیخ دباغ نے مذکورہ بالا حدیث میں روح کے تصرف اور کیفیت کو بیان کیا ہے اگر روح نیک ہو تو وہ سکون جنت کی مستحق ہے اور اگر روح بد ہے تو وہ ذلت، رسوائی اور جنت کی مستحق نہیں ہے۔ اور نیک روح کے اوپر اللہ تعالیٰ بہت انعامات کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار اور قدرت سے ہی نیک اور اچھے کاموں پر قائل ہو جاتی ہے۔

حدیث:١٠

"الْحجر الْأسود يَمِين الله فِي أرضه۔"(22)

مسئلہ کا تعارف

شیخ دباغ نے ایک بہت مشہور حدیث کی تشریح کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ حجر اسود دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے۔ شیخ دباغؒ سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا کہ حجر اسود دنیا میں اللہ کا دایاں ہاتھ ہے۔

شیخ دباغؒ کا نقطہ نظر

شیخ دباغؒ نے کہا یہ تشبیہ کے طور پر استعمال ہوا ہے کیونکہ جو شخص شاہی حفاظت وپناہ میں آنا چاہتا ہے وہ جلدی کرتا ہے اور اس کا دایاں ہاتھ چومتا ہے، اسی طرح جو شخص اللہ کی رحمت اور حفاظت میں آنا چاہیے اسے حجر اسود کو بوسہ دینا چاہیے۔ اس کا درجہ اللہ کے ہاں وہی ہے جو بادشاہ کے دائیں ہاتھ کا ہے۔(23)

تجزیہ

شیخ دباغ نے حدیث کی فنی حیثیت پر بحث کیے بغیر متن حدیث کے مفہوم کو بیان کرنے کے لیے یہ کہا ہے کہ اس حجر اسود کو اللہ تعالیٰ کا دائیں ہاتھ قرار دینا تشبیہ یا استعارہ کے طور پر استعال کیا گیا ہے۔

حدیث:۱۱

"یُؤْتَی بِالْمَوْتِ کَهَیْئَةِ کَبْشٍ أَمْلَحَ۔"(24)

مسئلہ کا تعارف

شیخ دباغ نے اپنے ملفوظات کے اندر کئی مقامات پر حدیث کی تشریح مخصوص انداز میں ذکر کی ہے اور حدیث بھی وہ ذکر کرتے ہیں جن میں تفہیم ومعائنہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ شیخ دباغؒ سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا گیا:یوتی بالموت فی صورۃ کبس ثم یذبح (قیامت کے دن موت کو ایک مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا اور پھر اس کو ذبح کیا جائے گا)۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

شیخ دباغؒ کا نقطہ نظر

شیخ دباغؒ نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور آنحضرت ﷺ کے دہن مبارک سے نکلی ہے اور اس سے مراد فرشتہ ہے جو مینڈھے کی شکل میں ہو گا کہ اسے اہل جنت کی نعمت اور اہل دوزخ کے عذاب میں اضافے کی خاطر ذبح کیا جائے گا اور فرشتوں کی سب سے بڑی مراد یہی چیز ہے کیونکہ وہ سجدے میں گر کر یہ دعا مانگتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں اپنے مومن بندوں کے لیے نعمت اور ان پر نزول رحمت کا سبب بنا اور فرشتہ ہی مومن کے حق کو سمجھ سکتا ہے۔ ہم نے حدیث مذکور کی یہ تاویل اس لئے کی ہے کہ موت دوستوں کا ایک دوسرے سے بچھڑنے کا نام ہے۔ چنانچہ ذات تو مٹی کی طرف لوٹ جاتی ہے اور روح عالم ارواح کو۔ لہٰذا موت اس اتصال اور اجتماع کے عدم کا نام ہے جو ان کے درمیان تھا۔(25)

تجزیہ

اس حدیث میں بھی شیخ دباغ نے اپنے خاص انداز میں کہا ہے کہ قیامت والے دن موت کو مینڈھے کی صورت میں بلایا جائے گا۔ یہ مینڈھے سے مراد فرشتے کو لیا گیا ہے اور فرشتہ ہی جنتیوں اور دوزخیوں کی خاطر ذبح کیا جائے گا۔ کیونکہ موت کے فرشتے کو ذبح کیے جانے کے بعد کسی بھی فرد پر موت نہیں آئے گی۔

حدیث:۱۲

''فَعَمِلَتْ لَهُ المِنْبَرَ، فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ الجُمُعَةِ قَعَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى المِنْبَرِ الَّذِي صُنِعَ، فَصَاحَتِ النَّخْلَةُ الَّتِي كَانَ يَخْطُبُ عِنْدَهَا، حَتَّى كَادَتْ تَنْشَقُّ، فَنَزَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَخَذَهَا، فَضَمَّهَا إِلَيْهِ، فَجَعَلَتْ تَئِنُّ أَنِينَ الصَّبِيِّ الَّذِي يُسَكَّتُ، حَتَّى اسْتَقَرَّتْ، قَالَ: «بَكَتْ عَلَى مَا كَانَتْ تَسْمَعُ مِنَ الذِّكْرِ''(26)

مسئلہ کا تعارف

شیخ دباغ نے معجزات اور کرامات کے حوالے سے ناقدین کے اعتراضات میں سے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے کہ جب کوئی بے جان چیز معجزہ کی صورت پر حرکت کرتی ہے تو کیا ان بے جان چیزوں کے اندر زندگی آجاتی ہے یا نہیں۔ احمد بن مبارک نے شیخ دباغؒ سے عرض کیا کہ کیا مذکورہ بالا حدیث میں مذکور اشیاء میں بھی حیات اور روح ہے؟

شیخ دباغؒ کا نقطہ نظر

شیخ دباغؒ نے اپنی صوفیہ نہ فکر کے ساتھ بیان کیا کہ یہ ان مذکورہ اشیاء کی روز مرہ کی تسبیح اور کلام تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے حاضرین سے صرف پردہ اٹھا دینے کی درخواست کی تھی تا کہ وہ بھی ان کی تسبیح اور کلام کو سن لیں۔ مزید کہا کہ مذکورہ اشیاء میں حیات اور روح نہیں ہے لیکن تمام مخلوقات خواہ بولنے والی ہو خواہ خاموش، جس وقت بھی اس سے خالق کی بابت سوال کیا جائے گا تو وہ واضح الفاظ میں کہے گی کہ اللہ وہ ذات ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے پس مخلوقات میں یہ امتیاز کہ ان میں بعض ناطق ہیں بعض صامت اور بعض جماد، صرف مخلوقات کے اعتبار سے ہے تا کہ ایک دوسرے سے ان میں امتیاز ہو سکے ورنہ جہاں تک ان کی نسبت اللہ سے ہے سب اس سے واقف ہیں۔ اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے سامنے عاجزی کرتے ہیں کیونکہ جمادات کے دو پہلو ہیں۔ ایک رخ خالق کی طرف اور اس میں وہ اللہ سے واقف، اللہ کے مطیع اور اس کے عبادت گزار ہیں اور دوسرا رخ مخلوق کی طرف ہے اور اس میں نہ وہ کچھ جانتے ہیں نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اسی رخ کو دور کرنے کی درخواست کی تھی تا کہ حاضرین کے لیے دوسرا پہلو جو اللہ کی طرف ہوتا ہے ظاہر ہو جائے اور اسی پہلو کے اعتبار سے جس میں ان کی توجہ خالق کی طرف ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا۔ وان من شئی الا یسبح بحمدہ یعنی ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ ساتھ تسبیح پڑھتی ہے۔(27)

تجزیہ

مذکورہ بالا حدیث میں بھی شیخ دباغ کی صوفیہ نہ فکر ظاہر ہوتی ہے کہ یہ آیت ذکر کی ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے۔ جب معمولی سے معمولی چیز بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے تو پھر انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے۔ اور اصل صوفیہ کا یہی وصف ہے۔

حدیث:۱۳

”رُدُّوا عَلَيَّ الرَّجُلَ»، فَأَخَذُوا لِيَرُدُّوهُ، فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «هَذَا جِبْرِيلُ جَاءَ لِيُعَلِّمَ النَّاسَ دِينَهُمْ“ (28)

مسئلہ کا تعارف

مسلم کی ایک حدیث میں جبرائیل کے ایمان اور احسان کے متعلق سوال کرنے کا ذکر آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جبرائیل کے چلے جانے کے بعد کہا کہ اس شخص کو جو سوالات کر رہا تھا واپس لاؤ۔ چنانچہ صحابہ نے ان کی تلاش کی مگر ان کا پتہ نہ لگا۔ تب حضرت محمد ﷺ نے کہا یہ جبرائیل تھے اور وہ مجھ سے اس مرتبہ کے سوا کبھی نہیں چھپ سکے (یعنی اب کی بار میں انہیں نہ پہچان سکا)۔ اس مذکورہ بالا حدیث کا کیا مطلب ہے؟

شیخ دباغؒ کا نقطہ نظر

شیخ دباغؒ نے جواباً کہا کہ یہ جو آنحضرت ﷺ پر جبرئیل علیہ السلام چھپے رہے اس میں بھی آنحضرت ﷺ کی اس قدر تعظیم و تکریم پائی جاتی ہے جسے صرف وہی لوگ جان سکتے ہیں جن پر اللہ کی رحمت ہو، اس کی تشریح یوں ہے کہ بعض اوقات آنحضرت ﷺ مشاہدہ حق میں اس قدر مستغرق ہو جاتے ہیں کہ آپ کی ذات پاک مع اپنے تمامی تعلقات اور اجزاء و عروق کے اس عالم سے بے تعلق ہو کر نور حق سبحانہ میں محو ہو جاتی۔ چنانچہ اس طرح آپ کی ذات کا تعلق غیر اللہ سے کلی طور پر منقطع ہو جاتا مگر اس کے باوجود آپ کی ذات غلطی سے محفوظ ہوتی اور حق کے سوا کوئی فعل صادر

نہ ہوتا تھا اور نہ ہی صدق کے سوا کوئی بات زبان سے نکلتی۔ چنانچہ جب فرشتے دیکھتے کہ آنحضرت ﷺ پر یہ حالت طاری ہوئی ہے اور انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی اور اس کیفیت کی طاقت نہیں رکھتا اور یہ کہ اس حالت میں آپ ﷺ کو ان کا شعور نہ ہو سکے گا تو اس موقع کو غنیمت سمجھ کر جلدی کرتے اور حاضر خدمت ہو کر آپ ﷺ سے ایمان کے متعلق سوال کرتے اور آپ ﷺ کو اپنا مرشد بنا کر آپ ﷺ سے ایمان اخذ کیا کرتے۔ چنانچہ فرشتہ ایک بدوی کی شکل میں آکر عرض کرتا یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کی خدمت میں ایمان لانے اور آپ ﷺ کے سچے رسول ہونے کا اقرار کرنے کے لیے آیا ہوں۔ لہٰذا آپ ﷺ مجھے سکھائیں کہ میں کس طرح اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ اس کو تعلیم دیتے۔(29)

تجزیہ

مذکورہ بالا حدیث میں احسان والی حدیث کی اہمیت کو اجاگر کرنا چاہتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ اس بات کو بھی بیان کرنا چاہتے ہیں۔ کہ جب جبرائیل امین نبی کریمؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو ان کے چلے جانے کے بعد صحابہ کرام ی اللہ تعالیٰ عنہ نے جبریل امین کو تلاش کرنا چاہا مگر وہ غائب ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کو خاص علوم عطا کرتا ہے جو خاص لوگوں کے لیے ممنوع ہوتے ہیں اس طرح اللہ تعالیٰ نیک بندوں کو بھی انعامات سے نوازتا ہے جو ان کا خاصہ ہوتا ہے عام لوگوں کی اس تک رسائی ناممکن ہوتی ہے۔

حدیث:۱۴

" مَا مِنَ الأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ البَشَر۔" (30)

مسئلہ کا تعارف

احمد بن مبارک نے اپنے شیخ دباغ سے مذکورہ بالا حدیث کی تشریح و توضیح کے متعلق سوال کیا اور کہا کہ اس حدیث میں کس مفہوم کو مراد لیا گیا ہے؟

شیخ دباغؒ کا نقطہ نظر

شیخ دباغؒ نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ جو نبی بھی گزرا ہے اسے اس قدر معجزات عطا کیے گئے جس قدر لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ مجھے عطا ہوا ہے وہ ایک وحی ہے جس کی (ہر روز) تلاوت ہوتی ہے۔ مزید کہا کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے معجزات ان کی اپنی ذات اور اس کے متعلق جنس میں سے ہوتے تھے۔ چنانچہ ان انبیاء کو بعض معجزات کبر سنی میں عطا کیے جاتے اور بعض معجزات ایسے ہوتے جو بچپن ہی سے ان کی ذات کے ساتھ ترقی پاتے رہتے تا آنکہ کبر سنی میں ان کا ظہور ہوتا، مگر آنحضرت ﷺ کا معجزہ اپنی ذات سے نہ تھا بلکہ حق سبحانہ کی طرف سے تھا اور اس کے نور اور مشاہدہ اور ہمکلامی سے تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کی ذات، عقل، نفس، روح اور سر میں اس قدر قوت تھی کہ اگر یہ تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام پر تقسیم کی جاتی تو بھی ان میں اس کے متحمل ہونے کی قوت نہ ہوتی۔ اسی لئے تو آنحضرت ﷺ نے کہا ہے۔ مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے وہ خالص وحی ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے یعنی آپ کا معجزہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات جیسا نہیں ہے۔ اگرچہ جمیع انبیاء کے معجزات

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

اتنے جلیل القدر اور رفیع الشان تھے کہ ان کے ذریعے سے تمام کائنات کو مومن بنایا جا سکتا تھا لیکن آنحضرت ﷺ کا معجزہ ان تمام کے معجزات سے ارفع واعلیٰ ہے (۲۴۱) کیونکہ یہ معجزہ حق سبحانہ کی طرف سے ہے نہ آپ ﷺ کی ذات کی طرف سے۔

اس کے بعد آپ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک بادشاہ ہے۔ جب اس کے گھر کوئی لڑکا پیدا ہوا تو اس نے اسے کسی مقام پر پرورش پانے کے لیے بھیج دیا اور ہر ایک کے ساتھ بطور نشانی کے ایک قیمتی لعل بھی بھیجتا رہا جس سے رعایا کو علم ہو کہ یہ شاہزادہ ہے اور ہمارے بادشاہ کا بیٹا ہے۔ بالآخر ایک اور لڑکا پیدا ہوا جس کو بادشاہ نے اپنے پاس رکھ لیا اور خود ہی اس کی تربیت اور تمام معاملات کی نگہداشت کی۔ لہٰذا جو کمال معرفت اور اپنے باپ کے اسرار سے جو واقفیت اسے حاصل ہو گی اس کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی اور جس قدر اس کے بھائیوں کو اپنے باپ کے اسرار کا علم ہوا ہو گا اس کا قیاس اس علم کے ساتھ ہر گز نہیں کیا جا سکتا جو اسے حاصل ہوا ہو گا۔(31)

تجزیہ

مذکورہ بالا حدیث میں شیخ دباغ نے اس سوال کا جواب بھی دیا ہے حدیث کی رو سے تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بہت سے معجزات عطا کیے گئے ہیں لیکن دیگر روایات کی روشنی میں تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ چند ایک معجزات ہی نہیں بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی پوری زندگی اٹھنا، بیٹھنا ، کھانا، پینا اور نجی معاملات بھی سب کے سب معجزہ ہیں جس پر شیخ دباغ نے ایک تمثیل بھی ذکر کی ہے اس حدیث کی رو سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ذات الٰہی کی مکمل معرفت اور اسرار پر واقفیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی شیخ یا کامل مرشد سے تربیت بھی حاصل کرے۔

حدیث:۱۵

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا رَحْمَةٌ مُهْدَاةٌ" (32)

مسئلہ کا تعارف

شیخ دباغ نے تصوف کی ایک اہم اصطلاح مشاہدہ کے متعلق ایک حدیث بیان کی ہے اور اس کے ضمن میں نبی کریم ﷺ کے مشاہدہ کی تفسیر ذکر کی ہے۔

شیخ دباغ کا نقطہ نظر

شیخ دباغؒ نے مذکورہ بالا حدیث کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ مشاہدہ اپنی اپنی معرفت کے مطابق ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ کو معرفت اسی وقت سے حاصل ہو چکی تھی جب حبیب اپنے محبوب کے پاس تھا اور کوئی تیسرا ان کے پاس نہ تھا اور آنحضرت ﷺ تمام مخلوقات سے پہلے پیدا ہوئے اسی زمانے سے آنحضرت ﷺ کی روح مقدس ان انوار قدسیہ اور معارف ربانیہ سے سیراب ہو چکی تھی لہٰذا یہ ہر طالب نور کے لیے اصلاً اور ہر طالب ضیاء کے لیے مادہ بن گئی تھی۔ لہٰذا جب آپ ﷺ کی پیدائش کے وقت آپ ﷺ کی روح مقدس آپ ﷺ کی ذات مطہر میں داخل ہوئی تو اس میں اور محبت کے ساتھ سکونت پذیر ہوئی اور ذات کو اپنے اسرار و معارف سے فیضیاب کرتی رہتی تا آنکہ آنحضرت ﷺ کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو وہ پردہ جو ذات اور روح کے درمیان تھا اٹھ گیا اور حجاب کلیتاً مٹ گیا اور آنحضرت ﷺ کو وہ مشاہدہ حاصل ہوا جسے کوئی اور برداشت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ آپ ﷺ کا مشاہدہ ایسا تھا جیسا کہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں کہ حق سبحانہ کی ذات ہی تمام مخلوقات کی محرک اور انہیں ایک جگہ سے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

دوسری جگہ منتقل کرنے والی ہے اور مخلوقات کی حیثیت تو ظروف اور کمہار کے برتنوں کی سی ہے جو اپنی جگہ ذات کو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ چنانچہ جب آپ ﷺ مبعوث ہوئے اور خلعت رسالت ملی تو آپ ﷺ کو یہ مشاہدہ حاصل ہو چکا تھا اور مخلوقات آپ ﷺ کی نگاہ میں محض خالی اجسام اور تصویریں تھیں (یہ مشاہدہ اس لئے کرایا گیا) تاکہ آپ ﷺ ان کے لیے مجسم رحمت بنیں اور ان کے کسی فعل کو بھی ان کی جانب سے خیال کر کے بددعا نہ کریں جس سے وہ ہلاک ہو جائیں۔ جس طرح کہ آپ ﷺ سے پہلے انبیاء نے اپنی امتوں سے کیا۔ اسی لیے انہوں نے دعا کرنے میں جلدی کی اور آنحضرت ﷺ کی دعا اپنی امت کی شفاعت کی خاطر قیامت کے دن پر اٹھا رکھی گئی ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کی دعا بھی رحمت بنی اور اللہ تعالیٰ کے فرمان:

"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔" (33)

"ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

اور آنحضرت ﷺ کے فرمان:

"انما انا رحمة مهداة للخلق ۔" (34)

"میں مخلوقات کے لیے رحمت کا تحفہ ہوں۔"

کا مصداق ظاہر ہوا اور یہ تو اس مشاہدے کے ابتدائی زمانے کا حال تھا چہ جائیکہ ہر لحظہ آپ ﷺ کی ترقی ہو رہی ہو اور ان مقامات پر آپ ﷺ کا عروج ہو رہا ہو جن کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی۔(35)

تجزیہ

شیخ دباغ مذکورہ بالا حدیث سے ایک طرف تو صوفیہ کی اصطلاح مشاہدہ کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ دوسری طرف نبی کریم ﷺ کے مشاہدہ کو احوال کے ضمن میں مشاہدہ کا طریقہ کار بھی بیان کرنا چاہتے ہیں لیکن شیخ دباغ نے مشاہدہ کی وضاحت میں کمہار کے برتن بنانے کی نفیس مثال پیش کی ہے۔

حدیث:۱۶

"وَاللَّهِ لاَ أَحْمِلُكُمْ، وَمَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ" (36)

مسئلہ کا تعارف

شیخ دباغؒ سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا گیا جس میں آنحضرت ﷺ نے ان اشعریین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا جنہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سواری کے اونٹ مانگے تھے کہ وَاللَّهِ لاَ أَحْمِلُكُمْ، وَمَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ (37)"اللہ کی قسم میں تم کو سواری کے لیے اونٹ نہ دوں گا اور نہ میرے پاس ہے کہ تم کو دوں"۔ مگر (اس قسم کھانے کے بعد) آپ نے ان کو اونٹ عطا فرما دیئے۔ دریافت طلب امر یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے حق بات کے خلاف اور صدق کے سوا کوئی بات نہ نکل سکتی تھی (پھر یہ بات کیوں کر ہوئی کہ پہلے تو قسم کھا کر انکار کر دیا اور پھر قسم کے خلاف اونٹ دے بھی دیئے)۔

شیخ دباغؒ کا نقطہ نظر

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

شیخ دباغؒ نے کہا! بیشک نبی ﷺ سچ ہی بولا کرتے تھے اور حق بات ہی کہا کرتے تھے مگر آپ کا کلام باطن اور مشاہدے کے اعتبار سے نکلا کرتا تھا۔ چنانچہ کبھی تو آنحضرت ﷺ ذات الٰہی کے مشاہدے میں ہوتے اور جو لذت اس مشاہدے میں ہوتی ہے اس کی کیفیت نہ تو بیان ہو سکتی ہے اور نہ کوئی اس کا متحمل ہو سکتا ہے اور دنیا کی کوئی لذت بھی اس کے مماثل نہیں اور یہ وہ لذت ہے جو جنتیوں کو جنت میں اور دیدار الٰہی کے وقت حاصل ہو گی۔ اور کبھی آنحضرت ﷺ ذات باری تعالیٰ کی قوت اور غلبہ قدرت کے مشاہدے میں مستغرق ہوتے اور اس مشاہدے میں اللہ تعالیٰ کی قوت اور غلبہ قدرت کے مشاہدے کی وجہ سے خوف اور بے چینی ہوتی۔ ان دونوں مشاہدوں میں آپ ﷺ مخلوق سے غافل ہو جاتے اور کسی کو بھی نہ دیکھتے تھے۔ اور کبھی آپ ﷺ ذات الٰہی کا مشاہدہ مخلوقات کے ساتھ کرتے اور آپ ﷺ اللہ کی قدرت کو تمام مخلوقات میں جاری وساری پاتے۔ اس مشاہدے میں ذات باری آپ ﷺ کے باطن سے غائب ہو جاتی اور اس کے افعال باقی رہ جاتے اسی تیسرے مشاہدے میں احکام شریعہ کی تعمیل اور مخلوق کی تعلیم وتربیت اور ان کو اللہ تک پہنچانے کی خدمت انجام پاتی تھی۔ لہٰذا اپ ﷺ کی زبان مبارک سے جو کچھ بھی نکلتا تھا ان تینوں مشاہدوں سے خارج نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ کلام فرماتے وقت کبھی آپ ﷺ پہلے مشاہدے میں ہوتے اور کبھی تیسرے میں اور حدیث مذکور کا تعلق دوسرے مشاہدے سے ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ ذات باری اور اس کی قدرت کے مشاہدے میں اس قدر مستغرق تھے کہ وہ اپنے آپ سے بھی بے خبر تھے اور تو ذکر ہی کیا۔ لہٰذا جب اشعریین نے آنحضرت ﷺ سے یہ درخواست کی کہ ہمیں سواری کے اونٹ عطا فرمائیں اور آپ ﷺ اس مشاہدے کی حالت میں تھے تو جواب میں یہ فرمادیا کہ اللہ کی قسم کہ میں تمہیں سواری کے لیے اونٹ نہ دوں گا اور نہ میرے پاس ہیں کہ دوں (کیونکہ مالک حقیقی اور معظم حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہیں) اور یہ بات ہے بھی درست لیکن جب آپ مشاہدہ حق سے مشاہدہ خلق کی طرف لوٹے اور اتفاق ایسا ہوا کہ اونٹ بھی آگئے تو آپ ﷺ نے اس مشاہدے کے مطابق عمل کیا کیونکہ اس مشاہدہ کا مقتضا یہ ہے کہ احکام الٰہی کی اطاعت ہو اور حقوق بھی ادا کئے جائیں۔ اسی لئے آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ اشعری کہاں ہیں۔ اس پر وہ بلائے گئے اور آنحضرت ﷺ نے انہیں اونٹ عطا فرمائے۔ انہوں نے ع کیا بھی کہ یارسول اللہ ﷺ آپ نے تو حلف اٹھایا تھا کہ آپ ہمیں اونٹ نہ دیں گے اور اب آپ دے رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے جواب میں ایسے کلمات فرمائے جن سے مطلب نکلتا ہے کہ آپ نے ابتداء میں جو قسم کھائی تھی وہ اسی مشاہدے کے حال کے مطابق تھی (کیونکہ اس حالت میں آپ کو اپنے نفس پر ہی اختیار نہ تھا چہ جائیکہ اونٹوں کا دینا) اس لئے کہا کہ میں نے تم کو سواری کے لیے اونٹ نہیں دیئے بلکہ اللہ نے دیئے ہیں یعنی میں نے یہی تو قسم کھائی کہ میں نہ دوں گا اور نہ میرے پاس اونٹ ہیں جو سواری کے لیے دوں اور یہی حقیقت ہے کیونکہ تمہیں سواری کے اونٹ دینے والا اللہ ہے نہ کہ میں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں اس طرح بتلادیا کہ آپ نے جو کہا ہے سچ کہا ہے اور جو کچھ کہا ہے درست ہے۔ (38)

تجزیہ

شیخ دباغ حدیث بیان کرنے کے بعد درج ذیل مسائل اخذ کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی زبان مبارکہ سے سچ کے علاوہ کوئی اور بات نہیں نکل سکتی۔ مذکورہ بالا حدیث میں اور اس حدیث میں (یعنی جس میں آپ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کی زبان سے حق کے علاوہ کوئی اور بات نہیں نکل سکتی) ان کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ مشاہدہ حق میں اس قدر مستغرق تھے کہ آپ دنیا اور دنیاوی معاملات سے بے خبر تھے۔ اس وجہ سے آپ ﷺ نے قسم کے الفاظ کہہ دیئے۔ صوفیہ کی اصطلاح کے مطابق آپ مشاہدہ حق سے مشاہدہ مخلوق کی طرف لوٹے ہیں۔

حدیث:۱۷

"أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِقَوْمٍ يُلَقِّحُونَ، فَقَالَ: «لَوْ لَمْ تَفْعَلُوا لَصَلُحَ» قَالَ: فَخَرَجَ شِيصًا، فَمَرَّ بِهِمْ فَقَالَ: «مَا لِنَخْلِكُمْ؟» قَالُوا: قُلْتَ كَذَا وَكَذَا، قَالَ: «أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأَمْرِ دُنْيَاكُمْ" (39)

مسئلہ کا تعارف

شیخ دباغؒ سے سوال کیا گیا کہ صحیح مسلم میں کھجور کو پیوند لگانے کا قصہ ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک بار صحابہ کے پاس سے گزرے جبکہ وہ کھجوروں کو پیوند لگا رہے تھے آپ ﷺ نے دریافت کہا یہ کیا کر رہے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان کی اسی طرح اصلاح کی جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے کہا تم ایسا نہ کرو تب بھی اچھا پھل آئے گا چنانچہ صحابہ نے آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق پیوند نہ لگایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خراب قسم کی کھجور آئی۔ آنحضرت ﷺ نے کہا "تم اپنی دنیا کو بہتر جانتے ہو"۔ اس حدیث کی توضیح کیا ہے؟

شیخ دباغؒ کا نقطہ نظر

شیخ دباغؒ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ اگر تم اس طرح نہ بھی کرو (یعنی پیوند نہ بھی لگاؤ) تب بھی پھل اچھا آوے۔ بالکل حق اور سچا کلام ہے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ بات اس جزم اور یقین کی بناء پر فرمائی جو حضور ﷺ کو حاصل تھا کہ فاعل مطلق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ جزم اور یقین آپ ﷺ کو اس طرح حاصل ہوا تھا کہ آپ ﷺ نے مشاہدہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا علم تمام ممکنات میں براہ راست اور بلا سبب وواسطہ جاری وساری ہے۔ چنانچہ نہ کسی ذرہ کو سکون ہوتا ہے نہ بال کو حرکت، نہ دل کو اضطراب، نہ رگ میں پھڑک، نہ پلک کی کوئی جھپک نہ ابرو کا اشارہ مگر اللہ تعالیٰ بلاواسطہ اس کا فاعل ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ اس کا اس طرح مشاہدہ کیا کرتے تھے جس طرح عام لوگ محسوسات کا مشاہدہ کیا کرتے ہیں اور یہ کیفیت آپ سے کسی حالت میں بھی غائب نہ ہوتی تھی نہ بیداری میں نہ خواب میں۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کا قلب جس میں یہ مشاہدہ تھا کبھی نہ سوتا تھا اور یہ بات یقینی ہے کہ جس ہستی کو اس قسم کا مشاہدہ حاصل ہو اس کی نگاہ سے تمام اسباب گر جائیں گے اور وہ ایمان بالغیب سے ترقی کر کے شہود و عیان تک جا پہنچے گا۔ لہٰذا اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان واللہ خلقکم وما تعملون(40) محض ایک عقیدہ نہ ہو گا بلکہ مشاہدہ دائمی ہو گا جو نظر سے اوجھل نہ ہو گا اور وہ یقین نصیب ہو گا جو اس مشاہدہ کے مناسب ہے یعنی اس آیت کے معنی پر اس قدر پختہ یقین ہو گا کہ غیر اللہ کی طرف کسی فعل کے منسوب کرنے کا چیونٹی کے سر کے برابر بھی وسوسہ نہ گزرے گا اور یہ بھی یقینی ہے کہ جس پختہ یقین کی یہ کیفیت ہو اس سے معجزات کا ظہور ہوتا ہے اور اشیاء خود بخود متاثر ہونے لگتی ہیں۔ یہ ایک سر الٰہی ہے جس کے ہوتے ہوئے تمام اسباب ووسائل اٹھ جاتے ہیں۔ لہٰذا جس ہستی کو یہ مقام حاصل ہو، اگر وہ اسباب کے ساقط ہونے اور رب الارباب کی طرف فعل کے منسوب ہونے کا اشارہ فرمائے تو اس کا قول حق اور اس کی بات سچ ہو گی، مگر جس شخص کو صرف ایمان بالغیب حاصل ہو (یعنی مشاہدہ حاصل نہ ہو جیسے صحابہ وان اللہ علیہم) اس کے نزدیک واللہ خلقکم وما تعملون میں مشاہدہ نہیں ہو گا اس کے نزدیک مشاہدہ یہ ہے کہ افعال کی نسبت ان کی طرف ہے جن سے یہ فعل صادر ہوئے اس کو آیت شریفہ کے معنی اور فعل کو اللہ کی طرف منسوب کرنے کی جانب اس کا وہ ایمان کھینچتا ہے جو حق تعالیٰ نے اسے بخشا ہے۔ پس اس کے لیے دو جاذب ہیں، ایک جاذب اللہ کی طرف سے ہے یعنی اس کا یہ ایمان جو اسے حق کی طرف کھینچتا ہے اور دوسرا اس کی اپنی طبیعت کی طرف سے یعنی اس کا یہ دیکھنا کہ یہ فعل تو بظاہر غیر اللہ سے صادر ہو رہا ہے اور یہ اسے باطل کی طرف کھینچتا ہے۔ اسی لئے انہی دو باتوں میں الجھا رہتا ہے۔ کبھی جاذب ایمان قوی ہو جاتا ہے تو اسے گھڑی یا دو گھڑی کے لیے آیت مذکورہ کا مفہوم مستحضر ہو جاتا ہے اور کبھی جاذب طبعی قوت پکڑ تا ہے تو وہ آیت کے معنی سے ایک دن یا دو دن کے لیے غافل ہو جاتا ہے

اور اس غفلت کے زمانے میں وہ یقین جو خارق عادت تھا جاتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا فرمودہ (کہ اگر پیوند نہ بھی لگاؤ تب بھی اچھا پھل آئے) وقوع میں نہ آیا کیونکہ وہ معجزہ نما یقین جس پر آنحضرت ﷺ کا باطن مشتمل تھا اور جس کے مطابق آپ ﷺ سے حق اور سچی بات نکلتی تھی، صحابہ کو حاصل نہ تھا۔ لہٰذا جب آنحضرت ﷺ کو علم ہو گیا کہ عمدہ کھجور پیدا نہ ہونے کا سبب یہ ہے اور یہ علم ہو گیا کہ اس کا ازالہ صحابہ کی طاقت سے باہر ہے تو ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا اور کہا تم اپنی دنیا کے امور سے زیادہ واقف ہو (لہٰذا تم اپنے دستور پر قائم رہو)۔(41)

تجزیہ

نبی کریم ﷺ نے جو یہ کھجور کو پیوند نہ لگانے کا فرمایا یہ اصل میں خالصتاً دنیاوی معاملات کے متعلق حکم ہے۔ اور دوسرا اس میں اسباب کو اختیار کرنے کا بھی سبق تھا کیونکہ اسلام اسباب اور وسائل کو اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس کے نتیجے میں توکل کرنے کا حکم ہے۔ صوفیہ کے ایمان بالغیب کو مشاہدہ بالغیب کا نام بھی دیا گیا ہے تو یہ کھجور کو پیوند نہ لگانے کا حکم ایمان بالغیب کے حکم میں سے ہے اور ایمان بالغیب سے یقین کامل پیدا ہوتا ہے۔

حدیث:۱۸

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ، وَلَهُ ضُرَاطٌ" (42)

مسئلہ کا تعارف

شیخ دباغؒ سے اس حدیث کا مطلب دریافت کیا گیا کہ جب موذن اذان دیتا ہے تو شیطان گوز مارتا ہوا دم دبا کر بھاگ جاتا ہے۔ اس سے کیا مراد ہے؟

شیخ دباغؒ کا نقطہ نظر

شیخ دباغؒ نے کہا کہ شیطان کے بھاگنے کی وجہ یہ ہے کہ جب اذان کے الفاظ کسی پاکیزہ ہستی سے نکلتے ہیں تو جہاں تک آواز پہنچتی ہے تمام فضا اس کے نور سے لبریز ہو جاتی ہے اور نور میں ٹھنڈک ہے اور شیطان کی پیدائش شعلہ نار سے ہوئی ہے۔ ٹھنڈک اور آگ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ بعینہٖ اسی طرح کی بات ایک اور بار حضرت نے فرمائی کہ جنات کو جہنم میں آگ کا عذاب نہیں دیا جائے گا، کیونکہ آگ تو اس کی طبیعت ہے۔ آگ سے آپ کی مراد گرم آگ تھی کیونکہ وہ اس کی طبع ہونے کے سبب اسے نقصان نہ پہنچا سکے گی انہیں تو برد اور زمہریر سے عذاب دیا جائے گا جس سے آپ کی مراد ٹھنڈی آگ تھی اور کہا کہ جن سردی سے سخت خوف کھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ گرمی کے موسم میں بھی ٹھنڈی ہوا کے چلنے سے سخت ڈرتے ہیں اور جب ٹھنڈی ہوا چلتی ہے تو وہ جنگلی گدھوں کی طرح بھاگ جاتے ہیں۔ اب رہا پانی سو وہ اس میں کبھی داخل نہیں ہوتے اگر تقدیر سے کوئی جن پانی میں گھس جائے تو وہ بجھ جائے گا اور پگھل جائے گا۔ جیسے اگر ہم میں سے کوئی شخص آگ میں پڑ جائے تو جل کر فنا ہو جائے۔ پھر کہا کہ اگر جن کی کیفیت معلوم کرنا چاہو تو ایک نہایت تاریک بہت دھواں دینے والی آگ کو دیکھیں جس طرح کہ آوے کی آگ ہوتی ہے پھر جس شکل پر حق تعالیٰ نے جنات کو پیدا کیا ہے اس کا تصور کر کے اس دھوئیں والی آگ میں کھڑا کر دو۔ یہی جن کی صورت ہوگی۔(43)

تجزیہ

شیخ دباغ اصل میں شیطان پر عذاب کی تفسیر کرنا چاہتے ہیں کہ شیطان آگ سے ہے اور اگر شیطان کو آگ کے ذریعے عذاب دیا جائے تو یہ عذاب اسے کوئی تکلیف نہیں دے گا۔ لہٰذا یہاں ایک دم سے مراد سردی اور ٹھنڈک کا عذاب ہے کیونکہ جب سردی اور ٹھنڈک ہوتی ہے تو جنگل کے گدھے سردی اور ٹھنڈک سے بھاگ جاتے ہیں اور اگر گرمی ہو تو نہیں بھاگتے۔

حدیث:۱۹

" إِنِّي أَبِيتُ عِنْدَ رَبِّي يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِي۔" (44)

مسئلہ کا تعارف

شیخ دباغؒ سے مذکورہ حدیث کے متعلق دریافت کیا گیا کہ میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں اور وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟

شیخ دباغؒ کا نقطہ نظر

شیخ دباغؒ نے کہا: رب کے پاس ہونے سے مراد اس کی معیت ہے (اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جگہ سے منزہ ہے) اور کھلانے اور پلانے سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کو قوت بخشنا ہے۔(45)

تجزیہ

شیخ دباغ اصل میں حضرات انبیاء کرامؑ کو جو روحانی غذا ملتی ہے اسکا تعین فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ روحانی غذا سے حضرات انبیاء کرام اور اولیاء کرام کو قوت بخشنا مراد ہے اور روح کی غذا تو ذکر الٰہی ہے۔

حاصل کلام

شیخ عبد العزیز دباغ ایک امی صوفی ہیں جن کے ملفوظات کو احمد بن مبارک سلجماسی نے مرتب کیا ہے جس میں متعدد علوم و فنون پر علمی بحث کی گئی ہے۔ علم حدیث کے حوالے سے احمد بن مبارک سلجماسی نے شیخ سے جو استفادہ کیا ہے اس کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ علم و حدیث کے حوالے سے شیخ نے حدیث کے متن اور سند کے حوالے سے جو آراء پیش کی ہیں ان کو نقل کیا گیا ہے۔ اسی طرح احادیث میں جو مقامات ایسے ہیں جن کو سمجھنا مشکل ہے۔ شیخ عبد العزیز دباغ نے ان مقامات کی توضیح اور تشریح کی ہے تاکہ ان مقامات کو آسانی سے سمجھا جاسکے۔ احادیث کی تشریحات کے ضمن میں کلام صوفیاء میں جو اشکالات پائے جاتے ہیں شیخ نے ان اشکالات کے حوالہ سے بھی گفتگو کی ہے اور ان کو آسان الفاظ میں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ علم تصوّف اور صوفیاء پر جن احادیث کی بناء پر اعتراضات وارد کئے جاتے ہیں شیخ نے ان احادیث کی بھی تاویلات بیان کی ہیں اور ان اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ شیخ عبد العزیز دباغ چونکہ سوالوں کے جواب کشف و مشاہدہ کی بنیاد پر دیتے ہیں اس لئے ان کی بعض آراء ایسی ہیں جس کے بارے میں ہمیں دیگر علماء اور صوفیاء کی آراء نہیں ملتیں۔ اللہ رب العزت کے لئے احادیث میں جہاں جسم اور اعضاء کا ذکر آیا ہے ان احادیث کی تشریحات بیان کی ہیں اور اشکالات کا جواب دیا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

1۔ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (210۔ 279ھ/ 825۔ 892ء)،السنن الترمذی ،باب ما جآء ان اللہ کتب کتاب ا لاھل الجنۃ واھل النار ،الرقم الحدیث: 2141، ج4، 449)ورواہ الطبرانی فی معجم الاوسط ،من اسمہ محمد ،الرقم الحدیث5219، ج5، 247)۔ تخریج دارالدعوہ : تفرد بہ المؤلف (أخرجہ النسائي في الکبری) (تحفۃالأشراف : 8825) ،ومسنداحمد (267/2) (حسن) قال الشيخ الألباني : حسن، المشکاۃ (96) ، الصحيحۃ (848) ، الظلال (348) صحيح وضعيف سنن الترمذي الألباني : الرقم الحديث : 2141

2۔ بخاری، الجامع الصحیح، باب وقت الظھر عند الزوال، ج 1، ص200، الرقم الحدیث:515

3۔ السجلماسی، الابریز ، ص7778

4۔ بخاری، الجامع الصحیح، باب انزل القرآن علی سبعۃ احرف ، ج4،ص190، الرقم الحدیث: 4706

5۔ البقرہ: 16

6۔ البقرہ: 10

7۔ السجلماسی، الابریز ، ص7880

8۔ بخاری، محمد بن إسماعيل ،الجامع الصحیح ،کتاب التعبیر ،باب رؤیا الصالحین ، الرقم الحدیث: 6983

9۔ السجلماسی، الابریز ، ص172173

10۔ ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزی، قزوینی، سنن ابن ماجہ ،باب فی الایمان، ج 1، ص25، الرقم الحدیث: 64، دار احیاء الکتب العربیہ، حلب۔ تخريج دارالدعوہ : صحيح البخاری/الإيمان 37 (50) ، تفسير لقمان 2 (4777) ، صحيح مسلم/الإيمان 1 (9) ، (تحفۃ الأشراف : 14929) ، وقد أخرجہ : سنن ابی داود/السنۃ17 (4695) ، سنن النسائی/الإيمان 5 (4996) ، مسند احمد (2/ 426)

11۔ السجلماسی،الابریز ، ص195197

12۔ ترمذی، سنن الترمذی ، بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنَ الْقُرْآنِ مَالَهُ مِنَ الأَجْرِ ج12، ص183۔الرقم الحدیث: 2916۔ تخریج دارالدعوہ : سنن ابی داود/ الصلاۃ16 (461) (تحفۃ الأشراف : 1592) (ضعيف) (سند میں مطلب اور ابن جریج دونوں مدلس راوی ہیں اور عنعنہ سے روایت ہے، نیز دونوں (مطلب اور انس) کے درمیان سند میں انقطاع بھی ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو : ضعيف أبي داود 164/1) قال الشيخ الألباني : ضعيف، المشکاۃ (720) ، الروض النضير (72) ، ضعيف أبي داود (71) // عندنا برقم (88/ 461) ، ضعيف الجامع الصغير (3700) //صحيح وضعيف سنن الترمذي الألباني : الرقم الحديث 2916

13۔ السجلماسی،الابریز ، ص198

14۔ بخاری، الجامع الصحیح ، بَابُ قَوْلِهِ: وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ،الرقم الحدیث : 4850، ج4، ص1836

15۔ السجلماسی،الابریز ، ص199۔200

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

16 ۔ بخاری، الجامع الصحیح ،کتاب التعبیر ،بَابُ أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ.الرقم الحدیث :6982،ج6،ص2561

17 ۔ السجلماسی،الابریز ،ص 200۔201

18 ۔ بخاری،الجامع الصحیح ، باب فضل السجود،الرقم الحدیث:773،ج1،ص277

19 ۔ السجلماسی،الابریز ،ص 201۔202

20 ۔ امام مسلم ،الجامع الصحیح المسلم ، الرقم الحدیث:2654

21 ۔ السجلماسی، الابریز ،ص203

22 ۔ اوردہ العجلونی فی کشف الخفأ ،الرقم الحدیث :1109،ج1،ص417۔ أبو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي (المتوفى: 505ھ) ، قواعد العقائدعالم الکتب ،لبنان۔ لیس له اسناد قائم عن النبي فیما اعلم و معناہ صحیح انظر (مجموع الفتاوي6/397)

23 ۔ السجلماسی،الابریز ،ص 204

24 ۔ بخاری، الجامع الصحیح ، ،باب (وانذرھم یوم الحسرۃ)،الرقم الحدیث:4730،ج4،ص1760

25 ۔ السجلماسی،الابریز ،ص204

26 ۔ بخاری، الجامع الصحیح ،باب (وانذرھم یوم الحسرۃ)، الرقم الحدیث :2095، ج 3 ص 61۔ انظر مرعاۃ المفاتیح ،ج9 ص544

27 ۔ السجلماسی،الابریز ،ص205

28 ۔ امام مسلم ،الجامع الصحیح المسلم ،کتاب الایمان،باب الایمان ماھو وبیان خصالہ ،الرقم الحدیث :5،ج1،ص 39

29 ۔ السجلماسی،الابریز ، ص209

30 ۔ بخاری ، الجامع الصحیح،باب کیف نزل الوحی و اول ما نزل ، ج6، ص182، الرقم الحدیث:4981

31 ۔ السجلماسی، الابریز ، ص211212

32 ۔ الدارمي أبو محمد عبد الله بن عبد الرحمن ، (م 255ھ)، مسند الدارمي المعروف ب (سنن الدارمي)، (دار المغني للنشر والتوزيع، المملكة العربية السعودية، طبع أول، 1412 ھ)،الرقم الحدیث: 15، ج 1ص 166۔ مستدرک ،الرقم الحدیث: 100،مسند شھاب ،الرقم الحدیث: 1160

33 ۔ الانبیاء: 107

34 ۔ حاکم ، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (321۔ 405ھ / 933۔ 1014ء)۔ المستدرک علی الصحیحین، کتاب الایمان، (بیروت، لبنان : دار الکتب العلمیہ، 1411 / 1990)، ج1، ص91،الرقم الحدیث:100

35 ۔ السجلماسی، الابریز ، ص213

36 ۔ بخاری، الجامع الصحیح البخاری، ،کتاب کفارات الایمان،باب الکفارۃ قبل الحنث و بعدہ، ج4، ص89، الرقم الحدیث:3133۔ورواہ مسلم فی صحیحہ ،کتاب الایمان،باب ندب من حلف یمینا،الرقم الحدیث:1649

37 ۔ السجلماسی، الابریز ، ص213

[38] ۔ السجلماسی ، الابریز ، ص214215

[39] ۔ امام مسلم ،الجامع الصحیح المسلم ،بَابُ وُجُوبِ امْتِثَالِ مَا قَالَهُ شَرْعًا، دُونَ مَا ذَكَرَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَعَايِشِ الدُّنْيَا، عَلَى سَبِيلِ الرَّأْيِ،الرقم الحدیث :2363

[40] ۔الصافات:37

[41] ۔ السجلماسی ،الابریز ، ص216217

[42] ۔ بخاری، الجامع الصحیح البخاری، باب یفکر الرجل الشئی فی الصلاۃ، ج2، ص67،الرقم الحدیث:1222

[43] ۔ السجلماسی ، الابریز ، ص218

[44] ۔ ابن راہویہ، ابو یعقوب اسحق بن ابراہیم ابن راہویہ، مسند اسحق بن راہویہ،(مکتبۃ الایمان، مدینہ منورہ،1991ء)

[45] ۔ السجلماسی، الابریز ، ص218